© rasailojaraid.com

لفظ خدا مجوسی نہیں مسلم ہے

محمد عبدالرحمن صدیقی (جاپان)
E-mail: arsiddiqi@yahoo.com

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج کی ادارت و نگرانی میں سہ ماہی مجلہ التفسیر کراچی اپریل تا جون ۲۰۰۶ء جلد ۳۔ شمارہ ۱ میں "مسلمانوں پر مجوسی اثرات کے چند شواہد" کے عنوان سے محمد عثمان قریشی بمبئی انڈیا کا ایک طویل مضمون شائع ہوا۔ غور سے پڑھنے سے کئی باتیں ذہن میں آئیں، جن پر تبصرہ اور تجزیہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ دوسرے مضمون نگاروں کو بھی اظہار خیال کا مواد ہاتھ آجائے اور ریکارڈ درست رہے۔

صاحب مضمون محمد عثمان قریشی نے اپنے مضمون کے پہلے ہی صفحہ (77) پر چوتھی سطر میں فرمایا ہے کہ خدا فارسی کا لفظ ہے۔ لکھتے ہیں "کہا جاتا ہے" کہ۔۔ یہ "کہا جاتا ہے" اس مضمون کی اساس بنایا جا رہا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ صاحب مضمون نے کوئی ریسرچ یا تحقیق نہیں کی ہے۔ نہ ہی کسی لغت کا کسی اسکالر، محقق یا زبان داں کا حوالہ دیا ہے۔ اور اس مفروضہ پر کہ یہ لفظ "خدا" "مجوسی معبود کا نام" کہا جاتا ہے"۔ اپنا سارا زور صرف فرمایا ہے۔ شروع ہی میں لفظ خدا کو "گمراہی کی دین" بتایا ہے۔ کچھ تو ان کی کی ظاہر ہو رہی ہے اور تحریر میں شوخی جھلک رہی ہے۔

اور آگے صفحہ 78 پر درج فرماتے ہیں "جہاں تک ہم نے معلومات حاصل کی ہیں۔۔۔۔۔ دنیا کی تمام زبانوں میں ال و کی آوازیں موجود ہیں"۔ وضاحت کے لئے عرض ہے کہ جاپان میں (جہاں میں ایک یونیورسٹی میں تدریس کی خدمت انجام دے رہا ہوں اور اس ملک میں 32 سال سے مقیم ہوں) پایا ہی نہیں اور "و" بھی F+H (ف+ہ) کی آواز دیتا ہے۔ اور L (ال) کی جگہ R (ر) استعمال ہوتا ہے۔

اب جاپانی زبان میں لفظ جلالہ یعنی اللہ ALLAH لکھنا چاہیں تو وہ ARRAFV ہو جائے گا۔ اس مشکل کو ہم نے یوں حل کیا ہے کہ اللہ کو (ارافو) ARRAFU لکھنے کے بجائے ہم یہاں ZETTAI SHA SOZOSHA, YUITSU NO KAMI استعمال کرتے ہیں۔ یعنی ایک لفظ کے بجائے کئی الفاظ کا مجموعہ۔ اور اس کا مطلب ہوا۔ حاکم مطلق۔ خالق کائنات۔ واحد لاشریک۔ بے مثال اعلیٰ ترین ہستی۔

ذو معنی لفظ ARRAFU کہنے سے کہیں بہتر ہے کہ ایسے الفاظ اور نام استعمال ہوں جو سمجھ میں آئیں۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ "دنیا کی تمام زبانوں اور بولیوں میں ال و کی آوازیں موجود ہیں"۔ چینی اور کوریائی زبان کا بھی یہی حال ہے۔ دوسری بات یہ کہ ایک زبان کا کوئی لفظ جو بعینہٖ صحیح معنی میں دوسری زبان میں منتقل یا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو رواج پاتا ہے بلکہ لازماً ایک زبان کا ہم معنی لفظ دوسری زبان میں مقرر کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً انگریزی لفظ PEN کا ترجمہ اردو میں قلم سے کر لیا گیا ہے اور یہ لفظ اسی طرح لغت میں درج ہے۔ ماہرین لسانیات نے یہ تسلیم کر لیا ہے۔ جو مفہوم PEN سے لیا جاتا ہے۔ وہی اردو میں قلم سے لیا جانا طے ہو گیا۔ اس میں کوئی خرابی نہیں۔ اسی لئے اردو میں ہم PEN نہیں کہتے قلم کہتے ہیں۔

اب لفظ خدا کے مجوسی من یا مجوسی زدہ ہونے کی طرف آتے ہیں جو صاحب مضمون کو گراں گذرا ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض ہوا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ مگر میں کم از کم تین ڈکشنریوں یا لغتوں کے حوالے پیش کرتا ہوں۔ تقریباً آدھا کام "خدا" پر ہے۔

"A dictionary of under classical Huidi and English by John T. Platts, M.A. Mumshiram Manoharlal Publishers Pvt. Ltd. 2nd Indian Edition, New Delhi India (P. 487). (1988 Edition).

اس میں لفظ خدا کے بعد یوں درج ہے:

خدا = Having his own law. The Supreme Being. (P-487)
God, Lord, Master, Ruler, Owner.

اس طرح اللہ رب العزت کی تمام صفات لفظ خدا میں داخل ہیں۔ اور وہ صفات اس لفظ سے واضح ہو جاتی ہیں۔

(ii) کمپیوٹر ویب سائٹ حوالہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

www.free.muslim.org/blog/index.php8id=2086

Hugh's dictionary of Islam p.141 onlive? Edition

یہ ڈکشنری کہتی ہے کہ:

"Word KHUDA is derived from the persian KHUD self : the self - existing one".

ویسے تو ویب سائٹوں پر تو بہت طویل بحثیں ہیں مگر اس کی یہاں ضرورت نہیں۔ جو صاحب چاہیں حوالوں کو دیکھ سکتے ہیں۔

(iii) ایک اور حوالہ عرض ہے: اردو لغت۔ (تاریخی اصول پر) جلد ہشتم (ح۔ خ۔ د تا ڈا) اردو لغت بورڈ (ترقی اردو بورڈ) کراچی۔

اس لغت کے مستند ہونے کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اہل علم بہ خوبی واقف ہیں کہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم۔ جناب نسیم امروہوی مرحوم، شاہدہ تسنیم صدیقی، مرزا نسیم بیگ کے نام ہی اس کی سند ہیں۔ اس لغت کے صفحہ 460 پر لفظ خدا درج ہے اور اس کی وضاحت اور اس لفظ محترم کے استعمالیہ جملے دوسرے صفحہ 461 پر بھی جاری ہیں۔

دیکھیے یہ مستند کتاب جسے میں زبان اردو کی موطا امام مالک کہوں تو بیجا نہ ہوگا کیوں کہ یہ نہایت مستند اور قابل اعتماد ہے۔ صفحہ 460 پر "خدا" کے لفظ کے تحت یوں لکھا ہے۔

"خدا۔ مالک۔ آقا۔ بندے کے مقابل۔ خالق کائنات کا ذاتی نام۔ اور خود اس کی ذات جس کے صفاتی نام ننانوے ہیں۔ اور جو اپنی ذات وصفات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ یکتا ہے؟ اور اس کا مثل کوئی نہیں اللہ۔ ایشور۔ بھگوان" یہ بھی درج ہے کہ بابا فرید گنج شکر 1265۔ کا شعر ہے۔

خاک لانے سے گر خدا پائیں

گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں

تفصیل سے طوالت ہوگی۔ اس لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں بلا تکلف لفظ محترم خدا کو اللہ کے ہم معنی استعمال کیا گیا اور کوئی بھی مجوسی نہ ہوا" نہ تو وہ لفظی ثنا سے استعمال کرنے والے مجوسی ہوئے بلکہ سب مسلمان بزرگ ہستی تھے۔

(iv) آگے بڑھنے سے پہلے ایک اور مستند حوالہ پیش کرتا ہوں۔ لغت نامہ۔ تالیف علی اکبر ۱۲۵۸۔۱۳۳۳ ہجری شمسی زیر نظر ڈاکٹر محمد معین۔ استاد دانش کدہ ادبیات دانش گاہ تہران۔ شمارۂ مسلسل ۵۵۔ تہران مرداد سال ۱۳۴۱ ہجری شمسی۔ چاپ خانہ وزارت ارشاد اسلامی۔ صفحہ ۳۰۲ (302) پر یوں ہے: "خدا۔ نام ذات باری تعالیٰ است گجو (الہ) (اللہ) (زبان قاطع۔ از خود زندہ۔ از خود آغاز کردہ، خدا در زبان فارسی بمعنی اللہ گرفتہ شدہ۔ چوں لفظ خدا مطلق باشد بر غیر ذات باری تعالیٰ اطلاق نکند مگر"۔۔۔۔۔ تفصیل طویل ہے وغیرہ وغیرہ۔

انگریزی۔ اردو۔ فارسی حوالوں کے بعد اب تحقیق مزید میں توجہ دیجئے جو آگے عرض ہے۔

خود زیر نظر شمارہ (اپریل جون ۲۰۰۷ء جلد ۳ شمارہ ۲) میں ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج صاحب اپنے مضمون "مغفرت ذنب کا معنی و مفہوم" میں صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں "خدا سے بخشش مانگیے"۔ یہاں ظاہر ہے وہ خدا سے مراد اللہ لیتے ہیں اور نہ وہ لفظ خدا مجوسی زدہ ہے اور نہ ہی مصنف مضمون۔ لہٰذا لفظ خدا سے پرخاش ذہنی خلجان کے سوا کیا ہے؟ یہاں پر برسبیل تذکرہ یہ عرض ہے کہ ڈاکٹر اوج نے احمد رضا بریلوی۔ سید محمد محدث کچھوچھوی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ احمد سعید کاظمی۔ عبدالکریم اثری اور ڈاکٹر طاہر القادری وغیرہ کے ساتھ مرزا بشیر الدین محمود کا نام بھی بطور حوالہ ترجمہ استعمال فرمایا ہے۔ جبکہ یہ تسلیم شدہ اور طے شدہ بات ہے کہ آخر الذکر شخص اپنے عقیدہ، بیانات اور تحریروں کے باعث مرتد خارج از اسلام ہو چکا ہے۔ اور اس کی کوئی بات بھی دلیل و حجت نہیں ہے۔ وہ اجماع امت سے کافر ہے۔ اوج صاحب سے سہو ہو گیا ہوگا۔ حوالہ کے لئے (دیکھئے صفحہ 12) اس کی وضاحت آجائے تو بہتر ہوگا۔

فتح محمد جالندھری کا ترجمہ دیکھئے۔ خدا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

۱۔		بسم اللہ	=	خدا کا نام لے کر
۲۔	سورہ آل عمران ۳:۱۹	عند اللہ	=	خدا کے نزدیک
۳۔	سورہ آل عمران ۳:۹۷	وللہ	=	خدا کا
۴۔	سورہ الاعراف ۷:۱۲۸	استعینوا باللہ	=	خدا سے مدد مانگو
۵۔	سورہ الاعراف ۷:	ان الارض للہ	=	زمین تو خدا کی ہے
۶۔	العنکبوت ۲۹:۲۳	بآیات اللہ	=	خدا کی آیتوں سے

ہر جگہ مترجم محترم نے اللہ کے اسم جلالہ کے لئے ترجمہ میں خدا استعمال کیا ہے۔ کیا یہ اس لئے ہے کہ لوگ "اللہ کے نام سے نابلد ہو جائیں"۔ ہرگز ایسا نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ صاحب ترجمہ نے خدا کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ عام فہم ہے اور وہی مفہوم ادا کرتا ہے جو اللہ کا اسم محترم ادا کرتا ہے۔ اور اس میں کوئی مجوسی من کی بو نہیں ہے جو کسی اور کو محسوس ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص نماز یا عبادات میں الحمد للہ کے بجائے الحمد برائے خدا پڑھے گا تو یہ غلط ہے۔ البتہ سمجھانے بتانے وضاحت کرنے کیلئے اگر کوئی کہتا ہے کہ تمام حمد و تعریف خدا کے لئے ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اگر کہا جائے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے تو اس سے مجوسی خدا نہیں بلکہ اللہ کے مفہوم کا خدا مراد ہوگا۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ ایرانی قدیم مجوسیوں میں خدا کا جو لفظ تھا آج مسلمان اس معنی میں لفظ خدا استعمال کر رہا ہے۔

بے شک یہ لفظ فارسی۔ ہیبرو۔ عبرانی۔ زبان کا ہو سکتا ہے مگر اسے اسلام نے مسلمان کر لیا ہے۔ اسلام نے بہت سے کافرانہ۔ مشرکانہ طریقوں کی اصلاح کر کے اسے قائم رکھا ہے۔ مثلاً کعبۃ اللہ کا طواف (اسے خانہ خدا بھی کہہ سکتے ہیں) پہلے برہنہ ہوا کرتا تھا۔ اسلام نے اسے مہذب کر کے قائم رکھا۔ بیت اللہ میں پہلے بہت سے اصنام تھے۔ اسلام نے اسے خالی کر دیا مگر عمارت قائم رکھی۔ کفار و مشرکین مکہ پتھروں کی پوجا کرتے تھے اسلام نے اسے یکسر ترک کر دیا کہ کسی پتھر کے ٹکڑے کو کوئی اختیار فائدہ یا نقصان کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ مگر حضور ﷺ نے سنگ اسود کا احترام قائم رکھا۔ جس میں کسی قسم کے شرک کا شائبہ بھی نہیں۔ اسلام جب جزیرۃ العرب سے نکل کر ساری دنیا میں پھیلا تو ہر زبان میں اللہ کا مفہوم سمجھنے کے لئے الفاظ متعین کر لئے گئے۔ اور یہی فارسی۔ اردو میں ہوا۔ اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں کیونکہ یہ ترجمہ ہے متن میں اللہ کی جگہ خدا نہیں آ رہا ہے۔ یہ تو سادی سی بات ہے۔ جاپان میں بھی لوگ اللہ کا تلفظ ادا نہیں کر سکتے اس لئے بدھ مت اور شنتو SHINTO کے پیرو جب مسلمان ہو کر اللہ کہنے کے بجائے اسی مفہوم کا کوئی لفظ متعین کر لیں تو اس پر انہیں لعن طعن کرنا مناسب نہ ہوگا۔ انصاف کا تقاضہ ہے کہ جب اللہ کے اسم ذات کو لکھنے کے لئے گفتگو۔ تحریر۔ تفسیر اور ترجمے میں

God, Creator, Sustainer, Brahma, Bhagwan, KHUDA

کوئی استعمال کرتا ہے تو اس پر اعتراض کرنا مناسب نہیں۔ البتہ نماز میں یا نمازوں سے باہر قرآن کریم کے متن کی تلاوت میں نہ صرف اللہ بلکہ رحمن، رحیم، رب، مالک، جبار، قہار، کریم، سمیع، بصیر، قادر کسی کے لئے بھی کوئی دوسرا لفظ خواہ کتنا ہی خوبصورت اور جامع کیوں نہ ہو۔ استعمال کرنا حماقت ہوگی۔ بلکہ کلام اللہ میں تحریف کے مترادف ہوگا۔

ترجمے اور ترجمانی قرآن کا مقصد ہوتا ہے اسے سمجھنا۔ سمجھانا ہر شخص کو کسی دوسرے مترجم سے اختلاف کا حق ہے اور اسی وجہ سے آج ہم کو ایک ہی مضمون پر ہزاروں مصنفین کی کتب ملتی ہیں۔ قرآن

کریم کے سینکڑوں تراجم ایک ہی زبان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر دیکھنا ہے کہ کون کس سے اختلاف کر رہا ہے۔ اعتراض کرنے والے اور معترض بہ کے علمی درجہ کا تعین ضروری ہوگا۔

وہ علماء کرام اور مفسرین جنہوں نے 40-50 برس کی عمر حصول علوم قرآن میں لگائی ہو۔ تحقیق و تدقیق میں محنت کی ہو ان کا مقام بھی ماننا ہوگا۔ مثلاً علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، امین احسن اصلاحی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، شبیر احمد عثمانی، احمد رضا خان، مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع، حمید الدین فراہی بلکہ اور بھی بہت سے علماء حضرات اپنی زندگی میں بھی لوگوں کے تعصب و الزامات سے محفوظ نہ رہے۔ آپ کے آج جب وہ ہستیاں اپنا دفاع کرنے کیلئے موجود نہیں۔ اگر ایک شخص اپنے مضمون میں انہیں مجوسی بتائے یا قریب قریب مجوس زدہ ہونے کا الزام دے تو اس میں تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں یہ ضرور دیکھنا ہوگا اعتراض کرنے والے۔ یا الزام دینے والے کا خود اپنا کیا علمی مقام ہے۔ عربی، فقہ، اسلامیات، لسانیات میں اس کا کیا مقام ہے۔ بے شک علم پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں فلاں پر اعتراض نہ کیا جائے مگر کسی مفسر یا مترجم کی کئی سو کئی ہزار صفحات کی تحریر سے ایک لفظ پکڑ کر اس عالم کے سارے کام کو "مجوسیانہ" قرار دینا ظلم نہیں تو کیا ہے۔ دیکھئے صفحہ 81 پر محمد عثمان قریشی نے بڑی دیدہ دلیری سے لکھ دیا۔ "علامہ مودودی کی لاپرواہی" صفحہ 82 پر "امین احسن اصلاحی" جیسا مفکر قرآن بھی مجوسی تحریک کا شکار ہو کر۔۔۔۔۔" آگے صفحہ 83 پر ہے "علامہ مودودی اور علامہ اصلاحی کو اپنے والدین رشتہ دار اور معاشرے سے اسلام حاصل ہوا اور تمام ذرائع پر مجوسی اثرات کے سائے پھیلے ہوئے تھے"۔ لکھنے والے نے یہ بھی نہ سوچا کہ ان بزرگوں کے والدین اور رشتہ داروں پر اور پھر والدین کے والدین اور ان سے اوپر والوں پر مجوسی اثرات کہاں سے آ گئے۔ اب اگر اس الزام تراشی کے جواب میں کوئی یہ کہے کہ ہمارے بعض مصنفین اور "ڈاکٹری یافتہ" مضمون نگاروں کو شاید معلوم بھی نہ ہوگا کہ کسی کو مجوسی کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ آتش پرست ایرانی دشمن اسلام شخص بنام ابولولو مجوسی (قاتل حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد دوم) کو ماننے والا یا اس کے عقیدہ کا فرد ہے۔ کوئی شخص زیادتی کرتے ہوئے ایسے الزام تراش شخص کو کہے کہ اس پر مجوسی۔ یہودی۔ نصرانی اثرات ہیں تو یہ بھی زیادتی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص اخلاص کے ساتھ یا کم علمی کی بنا پر الزام لگا رہا ہو۔ کسی کی نیت پر شبہ کرنا علم غیب جاننے کے دعویٰ کے برابر ہے۔ اور یہ اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ بات دلائل سے ہونی چاہئے۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی نے سورۃ الانعام آیۃ ۱۰۹ سے آیۃ نمبر ۱۲۷ تک میں لفظ اسم جلالہ "اللہ" جو دس بار آیا ہے اس میں انہوں نے ایک بار بھی خدا نہیں لکھا۔ اللہ ہی اسم متبرک استعمال فرمایا ہے۔ (حوالہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی۔ ادارہ ترجمان القرآن۔ لاہور۔ پاکستان)۔ کیا وہ پھر بھی مجوسی اثر میں ہیں؟ اسی سلسلہ میں ایک اور بات عرض کرنا مناسب ہوگا۔

اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کا نام محمد۔ احمد رکھا ہے۔ اور یہ قرآن کریم میں ہے۔ مگر آج ہزاروں لوگوں کے نام میں یہ اسم گرامی شامل ہے اور ان میں سے بعض لوگ جرائم کرتے ہیں۔ گناہ کرتے ہیں۔ اخباروں رسائل میں چھپ کر یہ نام مبارک ردی میں بھی چلا جاتا ہے تو کیا نام محمد ﷺ استعمال کرنا اسلام دشمنی یا مجوسی اثر ہے؟ یا یہ کہ کوئی اپنے نام میں محمد ﷺ نہ شامل کرے اور نہ یہ نام محترم متبع ہو؟ بات کا بتنگڑ نہیں بنانا چاہئے۔

پھر کہتا ہوں کہ معاملہ نیت کا ہے۔ سیاق و سباق سے ہٹ کر بلا حوالہ۔ بلا تحقیق" کہا جاتا ہے" کی بنیاد پر سارے مضمون و تنقید کو علمی انداز نہیں کہا جا سکتا۔ پھر اردو کے معاملہ میں جن لوگوں پر اعتراض ہوا ہے وہ تو اردو کے بھی آباؤ اجداد ہیں۔ آگے ایک جگہ قریشی صاحب نے لکھا ہے "قرآن اللہ کی تصنیف ہے"۔ یہ بھی محل نظر ہے۔ قرآن اللہ کی تصنیف نہیں اللہ کا کلام ہے۔ اسے تصنیف کر کے وحی یا نازل نہیں کیا گیا بلکہ الفاظ و قرأت و کلام کی تقریر کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا گیا۔ یہ الزام نہیں بلکہ تصحیح ہے تاکہ دوسرے یہ غلطی نہ کریں۔

آج بھی سابقین کے ترجمہ قرآن و حدیث کو متروک یا ناقابل فہم یا قدیمی ہونے کے باعث ترک کیا جا رہا ہے۔ نئے نئے ترجمے نئی سائنسی دریافت کی روشنی میں سامنے آ رہے ہیں۔ ایسا قیامت تک ہوتا رہیگا۔ مگر متن قرآن تبدیل نہ ہوا ہے نہ بدلے گا۔ اللہ اس کی حفاظت کر رہا ہے۔ ترجمے کے لئے اس حفاظت کی گارنٹی نہیں دی گئی ہے۔

آخر میں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ کسی تحریر کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اگر محمد عثمان قریشی کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو بہت سے محترم گذرے ہوئے اور جدید حیات مترجمین کے سارے ترجمے رد کرنے ہوں گے۔ (کیونکہ خدا کا لفظ استعمال کرنے کے سبب ہی مجوسی زدہ ہیں)۔

شاید کوئی ڈگری یافتہ شخص "خدا" کا لفظ استعمال کئے بغیر کلام اللہ کا ترجمہ لائے تو بڑا احسان ہوگا۔ قبول و رد کا فیصلہ تو کوئی اور ہی کریگا۔ اعتراض کرنا آسان ہے مگر خود دوسروں سے بہتر کام کرنا مشکل ہے۔ الغرض ترجمہ اور تفسیر۔ وضاحت و تفہیم کیلئے اگر اللہ کو ترجمہ میں خدا لکھ دیا جائے تو اس سے نہ ایمان میں خلل آتا ہے نہ ہی کوئی مجوسی، نصرانی یا یہودی ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ تفسیر کے صفحات کو خلجان پیدا کرنے کے لئے استعمال نہ کیا جائے تاکہ زیادہ مفید خدمت ہو سکے۔

جاہلیت کی حقیقت، عہدِ جاہلی کے ادبی آثار کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد عارف خان ساقی
استاذ عربی زبان و ادب
شعبہ 'علوم اسلامی، جامعہ' کراچی

اللہ رب ذوالجلال نے انسانیت کی بھلائی اور بہتری اور فوز و فلاح کا جو بھی نظام دیا، بنی نوع انسان کے لئے ایک مکمل ضابطہ 'حیات کی شکل میں دیا۔ ساتھ ہی اس کو ذہن بھی دیا جو سوچنے اور سمجھنے کی استعداد رکھتا اور نفع و نقصان اور بھلائی و برائی میں فرق کر سکنے کی صلاحیتوں سے بھی مالا مال اور آراستہ و پیراستہ تھا۔ نفس انسانی میں قبول حق کا مادہ بھی رکھ دیا گیا اور فسق و فجور کی طرف میلان کی صلاحیت بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و نفس و ما سواها، فالهمها فجورها و تقواها (۱) ترجمہ: قسم ہے نفس کی اور ہر اس صلاحیت کی جس نے اس نفس کو ایک متوازن نہج پر استوار کر دیا، پھر اس کے فسق و فجور اور اس کے تقویٰ و پرہیزگاری کو اس کے دل میں ڈال دیا۔

ایسے میں انسانی ذہن کی اہمیت اور قدر و قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ مگر اس کی حدود طے شدہ اور رسائی بہر حال محدود ہے۔ ادھر یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ انسان نے اکثر اپنی ان حدود سے تجاوز کیا اور ٹھوکر کھائی ہے۔ اور ایسا بھی ہوا کہ تائید ایزدی سے اس کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق اور ہمت عطا ہوئی۔ ان دونوں صورتوں کا انجام قرآن حکیم میں واضح لفظوں میں بیان کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے: قد افلح من زکّھا، و قد خاب من دسّھا (۲) ترجمہ: یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے اس کو پاکیزہ رکھا، اور یقیناً نامراد ہو گیا وہ جس نے اس کو معصیت میں ڈبو دیا۔

پہلی صورت یعنی رشد و ہدایت، نور معرفت کا ثمر ہے جبکہ دوسری صورت جہالت و گمراہی یعنی ظلمت اور تاریکی کی پیداوار۔ انسان کی یہ دونوں حالتیں ہر دور میں موجود رہی ہیں۔ نور معرفت کو عام کرنے کے لئے اسلام آیا تو اس سے پہلے کے دور کو واضح الفاظ میں "عہد جاہلیت" سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ اس عہد کی نشاندہی کے لئے جہل اور اس کے مشتقات مثلاً جاہلیت اور جہالت وغیرہ کا استعمال عام ہے۔ مگر تعبیرات کی کثرت نے جاہلیت کے معنی و مفہوم میں ایک ابہام سا پیدا کر دیا ہے اور یہ طے کرنا دشوار ہو رہا ہے کہ قرآن حکیم نے لفظ جاہلیت کو کس خاص معاشرتی ہیئت کذائیہ کو عیاں، نمایاں اور واضح کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ سطور ذیل میں ہم عہد جاہلی کے ادبی آثار کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کلمہ کے حقیقی معنی و مفہوم تک رسائی کی کوشش کریں گے تاکہ ایک طرف جہالت و گمراہی کی بے اعتدالیوں اور بداعمالیوں کے چہرے پر پڑے خوشنما پردے دور ہونے سے ان میں چھپے قبح آشکار ہو سکیں تو دوسرے ہاتھ پہ نور معرفت کی ضیا پاشیوں کی عظمت پوری طرح سے نکھر کر نگاہوں کے سامنے آ سکے۔

جاہلیت: قرآن حکیم نے متعدد مواقع پر اسلام سے پہلے کے دور کی تباہ کاریوں اور فکری و عملی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس عہد کو "عہد جاہلیت" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے تیئیس سالہ عہد نبوت کا بیشتر حصہ اسی "عہد جاہلیت" کی خرابیاں اور برائیاں مٹانے اور دور کرنے اور لوگوں کا تزکیہ نفس کرنے پر صرف فرمایا۔ پھر جب اس کا زور ٹوٹ چکا تو عہد نبوی کی تکمیل کے موقع پر حجۃ الوداع جیسی ایک بہت بڑی تقریب میں آپ ﷺ نے باضابطہ طور پر اس "عہد جاہلیت" کے خاتمے کا اعلان فرمایا: الا کل شیء من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع (۳) ترجمہ: آگاہ رہو، جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روندی پڑی ہے۔

قرآن حکیم نے بھی چار مختلف مقامات پر جاہلیت کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس عہد کی خرابیوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اولاً سورہ آل عمران میں ہے: "وطائفۃ قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ" (۴) ترجمہ: اور ایک گروہ کو ان کے نفسوں نے

سوچوں میں ڈال دیا، اللہ کے بارے میں جاہلیت کی طرز کے طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے۔

پھر سورۂ مائدہ میں جاہلیت کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے: "افحکم الجاھلیۃ یبغون ط ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون" (۵) ترجمہ: تو کیا یہ لوگ جاہلیت کی طرز کے حکم کو پسند کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے بہتر حکم کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟

تیسری جگہ سورۂ احزاب میں عہد جاہلیت کی ایک اور بڑی خرابی کی نشاندہی فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ (۶) ترجمہ: اور گھروں میں رہا کرو اور سابقہ جاہلیت کی طرز کی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔

جبکہ اس سلسلے کی چوتھی اور آخری آیت مبارکہ کے کلمات حسب ذیل ہیں: اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ فانزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین والزمھم کلمۃ التقویٰ وکانوا احق بھا واھلھا (۷)

ترجمہ: اور یاد کیجئے وہ وقت جب کفار نے اپنے دلوں میں حمیت ٹھانی تھی، جاہلیت والی حمیت تو اللہ تعالیٰ نے سکون نازل فرمایا اپنے رسول پر اور مومنین پر بھی اور ان کو تقویٰ والی بات پر قائم رکھا اور یہ سب اس چیز کے حقدار بھی تھے اور اہل بھی۔

مندرجہ بالا چاروں آیات میں عہد جاہلیت کی خرابیاں گنوائی گئی ہیں۔ ان میں سے ہر آیت مبارکہ ایک علیحدہ برائی یا کمزوری کو موضوع بحث بناتی ہے۔ پہلی ہی آیت مبارکہ میں حق و صداقت کے مقابل ظن و تخمین کی اتباع کو قابل نفرین عمل گردانا گیا ہے۔ پھر ایک اور مقام پر ایمانیات ہی کے باب میں ظن و تخمین کی اتباع اور عقل محض کی پیروی کی اصل حیثیت کو حسب ذیل کلمات میں واضح کرتے ہوئے اس کا معنوی بھرم توڑ دیا گیا: وما لھم بہ من علم ط ان یتبعون الا الظن ج ان الظن لا یغنی من الحق شیئا (۸) ترجمہ: اس معاملے میں انہیں کسی بھی طرح کا کچھ علم نہیں ہے، صرف اور صرف گمان کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ حق کے مقابلے میں گمان کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جبکہ دوسری آیت مبارکہ میں رشد و ہدایت کے الہامی دستور سے لاپرواہی اور اس سے بے نیازی اور اعراض و انحراف جیسے فعل شنیع کو معرض بحث میں لایا گیا ہے۔ رشد و ہدایت کا وہ دستور اور وہ اصول و ضوابط جن کی بابت حضرت سیدنا آدم و حوا علیہما السلام کے عالم ارضی کی طرف مراجعت فرماتے وقت حق تعالیٰ نے واضح فرما دیا تھا: قال اھبطا منھا جمیعا بعضکم لبعض عدو ج فاما یاتینکم منی ھدی ۵ فمن تبع ھدای فلا یضل و لا یشقی . ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا و نحشرہ یوم القیمة اعمی.(۹)

ترجمہ: تم دونوں فریقوں (انسان اور شیاطین) کے جملہ افراد یہاں سے اتر جاؤ، تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو، تو جب کبھی تمہاری طرف میری جانب سے کوئی ہدایت اترے گی تو جو بھی میری ہدایت کی اتباع کرے گا تو نہ تو وہ گمراہ ہو سکے گا اور نہ ہی وہ بدبخت بنے گا۔ اور جو کوئی میرے ذکر (یاددہانی) سے روگردانی کرے گا تو حقیقت یہی ہے کہ اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور قیامت کے روز اس کو ہم اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

جبکہ تیسری جگہ مذکورہ آیت مبارکہ میں عورتوں کے ہار سنگھار کر کے گھروں سے نکل پڑنے اور پرائے مردوں کو دعوت نظارہ دیتے پھرنے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ آج کے دور کا بھی عام چلن یہی ہے۔ دین و شریعت کی روشن تعلیمات کو چھوڑ کر اپنے آپ کو خواہشات نفسانی کے سپرد کر دینا بھی ایک جہالت ہے۔ عہد جاہلیت کے تعلق سے قرآن حکیم نے جن جن افعال شنیعہ اور ناجرمانہ سرگرمیوں کا ذکر چھیڑا ہے، عرب معاشرت پر ان کے اثرات تباہ کن حد تک گہرے تھے۔ صرف بن ٹھن کر گھروں سے نکلنے اور غیر مردوں کو خواہ مخواہ اپنی طرف راغب و متوجہ کرنے کے عمل کا ہی جائزہ لیا جائے اور ایسا کرتے وقت اس چیز کو بھی نگاہ میں رکھ لیا جائے کہ عرب معاشرہ بنیادی طور پر ایک قبائلی معاشرہ تھا۔ ایک قبائلی معاشرے میں عورت کے وجود کے ساتھ پورے قبیلے کی عزت و غیرت اور حمیت وابستہ ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر ایک قبائلی معاشرے کا سب سے قیمتی اثاثہ عورت ہی ہوتی ہے۔ یہی اس کا سب سے بڑا مسئلہ بھی ہے۔ عورت کی حفاظت کی خاطر قبائلی لوگ سب کچھ تج دینے پر ہمہ وقت مستعد رہتے ہیں۔ اعلیٰ انسانی اقدار سے بے بہرہ رہتے ہوئے یہ چیز ایک خطرناک رخ اختیار کر لیتی ہے۔ عربوں میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اپنی نام نہاد غیرت کی حفاظت کی خاطر اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: واذا الموءدة سئلت . بای ذنب قتلت .(۱۰) ترجمہ: اور جب سوال کیا جائے گا اس سے جو زندہ دفن کر دی گئی۔ کس گناہ کی پاداش میں تو قتل کی گئی؟

حدیث میں آتا ہے: ان رجلا اتی النبی ﷺ ، فقال: یا رسول الله! انا کنا اھل جاھلیة و عبادة اوثان ، فکنا نقتل الاولاد . و کانت عندی ابنة لی فلما اجابت و کانت مسرورة بدعائی اذا دعوتھا . فدعوتھا یوما فاتبعتنی ، فمررت حتی اتیت بئرا من اھلی غیر بعید . فاخذت بیدھا فردیتھا فی البئر ، و کان آخر عھدی بھا ان تقول: یا ابتاہ! یا ابتاہ! فبکی رسول الله ﷺ حتی وکف دمع عینیه . فقال له رجل من جلساء رسول الله ﷺ احزنت رسول الله ﷺ فقال له: کف ، فانه یسال عما اھمه . ثم قال له اعد علی حدیثک . فاعادہ . فبکی حتی وکف الدمع من عینیه علی لحیته . ثم قال له: ان الله قد وضع عن الجاھلیة ما عملوا . فاستانف عملک.(۱۱)

ترجمہ: کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم لوگ جب اہل جاہلیت اور بتوں کے پجاری تھے تو ہم اپنی اولاد کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے۔ میرے یہاں ایک بچی کی ولادت ہوئی، پھر جب وہ بات کو سننے، سمجھنے کے قابل ہو گئی تو میں جب بھی اس کو بلاتا وہ بہت خوش ہوتی۔ ایک روز میں نے اس کو بلایا تو وہ میرے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ میں چلتا گیا یہاں تک کہ اپنے ایک خاندانی کنویں پر جو زیادہ دور بھی نہیں تھا، پہنچ گیا۔ پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کو کنویں میں پھینک دیا۔ میرے سامنے وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں پکارتی ہی رہ گئی: ابا جان! ابا جان۔ رسول اکرم ﷺ رو پڑے۔ اس حد تک کہ آپ ﷺ کے آنسو بہہ نکلے۔ یہ ماجرا دیکھا تو آپ ﷺ کے رفقاء میں سے ایک نے اس شخص سے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ کو غمگین کر دیا۔ اس نے جواباً کہا: رکو! جو باتیں فکر میں ڈال دیتی ہیں، آپ ﷺ خود ان کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: پھر سے یہ بات بیان کرو۔ اس نے اس بات کو دہرایا تو آپ ﷺ پھر رو پڑے۔ یہاں تک کہ آنسو آپ ﷺ کی ریش مبارک پر بہہ نکلے۔ پھر آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی بد اعمالیوں سے درگزر فرما دیا ہے۔ اب میدان عمل میں تم نئی زندگی کا آغاز کرو۔

عورتوں کے بن سنور کر پرائے مردوں کو اپنی جانب بے وجہ مائل کرنے کے یہ مظاہرے اگرچہ حضرویت اور شہری زندگی سے متعلق ہیں جہاں آ کر قبائلیت کا وہ دم خم باقی نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہتا جو کہ گاؤں دیہات میں پایا جاتا ہے۔ مگر بنیادی طور پر قبائلی مزاج ہونے کے باعث ان میں بھی اوباش قسم کے نوجوانوں کی طرف سے غیر عورتوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ سے خوفناک فتنوں کے بھڑک اٹھنے کے امکانات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر الفاظ میں ہم اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عرب معاشرے میں یہ عمل بارود کے ڈھیر کو چنگاری دکھانے کے مترادف عمل تھا۔

اسی طرح چوتھی آیت مبارکہ میں بھی ایک ایسی بڑی برائی اور خرابی کا تذکرہ ہے جو عہد جاہلیت میں بڑی بڑی تباہکاریوں کا باعث بنتی رہی ہے۔ اور وہ ہے "حمیۃ جاہلیۃ"۔ یہ عہد جاہلیت کا ایک ایسا اندھا جذبہ تھا جو لوگوں کی عقل پر پردے ڈال دیتا تھا اور وہ ظلم و جور پر جری ہو جاتے اور حق و انصاف کے بھی ضابطے روند ڈالتے اور تقاضے پامال کر گزرتے تھے۔ جس کے خوفناک مظاہر آج کی مہذب کہلانے والی دنیا میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اپنے مخالفین کی ایک سے دوسری جگہ منتقلی کے لئے ان کو کنٹینرز میں بند کر کے لے جانا۔ پھر ان کو خونخوار کتوں کے سامنے ڈال دینا، کالے پانی سے بھی بدترین جگہ پر ان کو اس طرح سے قید میں رکھنا کہ نہ ان کو دنیا کی ہوا لگے اور نہ دنیا کو ان کی کوئی خبر ہی ہو سکے۔

یہ حمیت جاہلیہ ہی کا سبب تھا کہ اپنے ہم قبیلہ افراد کی ہر جائز و ناجائز معاملے میں ہر قیمت پر حمایت کرتے تھے اور اپنے بڑوں اور قبائلی سرداروں کے ماتحت، خواہ کتنا ہی ظلم و جور کا مظاہرہ ہو اور خون کی ندیاں بہہ جائیں، اپنے مخالفین کے ساتھ جنگوں سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ مشہور عرب شاعر درید بن صمۃ کے مندرجہ ذیل اشعار اسی حمیت جاہلیہ کے عکاس ہیں۔ کہتا ہے۔

فلما عصونی کنت منهم وقد اری — غوایتهم و اننی غیر مهتد
امرتهم امری بمنعرج اللوی — فلم یستبینوا الرشد الا ضحی غد
وهل انا الا من غزیة ان غوت — غویت و ان ترشد غزیة ارشد (۱۴)

ترجمہ: تو جب میرے ہم قبیلہ افراد نے میری ایک نہ مانی تو میں ان کی گمراہی کو دیکھتا ہی رہ گیا اور حالت یہ ہوئی کہ میں بھی سیدھی راہ سے ہٹ گیا۔ میں نے "منعرج اللوی" کے مقام پر ان کو اپنا نقطہ نظر سمجھانے کی پوری کوشش کی مگر اگلے روز چاشت کے وقت تک، جب مخالف قبیلہ چڑھائی کر چکا تھا، میری بات کسی طرح ان کی سمجھ میں نہ آئی، اور انفرادی طور پر میری حیثیت و

شناخت ہی کیا ہے؟ میں بھی ہوں تو اسی گروہ کا ایک فرد۔ اگر یہ گروہ بھٹک جائے گا تو میں بھی ساتھ ہی بھٹک جاؤں گا اور اگر یہ سدھر جائے گا تو میں بھی اس کے ساتھ ہی سدھر جاؤں گا۔

دراصل یہی حمیت جاہلیہ کا وہ اندھا جذبہ تھا جس کے باعث رسول اکرم ﷺ کی مساعی جمیلہ کے مقابلے پر کفار و مشرکین کا قافلہ یکسر ڈٹ کر تادم ختم قائم اور باقی رہا۔ اور اسی کے دم قدم سے جاہلیت کا اتنے طویل عرصے تک دور دورہ قائم رہا۔

جاہلیت کے بارے میں عوامی سوچ: عام طور پر جاہلیت کے لفظ سے جو تاثر ابھر کر سامنے آتا ہے وہ کچھ اس نوعیت کا ہے کہ گویا کوئی ایسا زمانہ ہے کہ اس دور کے رہنے بسنے والے لوگوں میں ہر طرف کم عقلی، بے علمی، نادانی اور ایک وحشیانہ پن پایا جاتا تھا۔ یہی کہنے کی حد تک انسان تھے اور ان میں انسانیت نام کو نہ تھی۔ سوچنے اور سمجھنے کی ہر استعداد اور صلاحیت سے عاری تھے۔ خود غرضی اور نفسا نفسی کا ان لوگوں میں دور دورہ تھا اور حرص اور ہوس پرستی چھائی ہوئی تھی۔ گویا انسانیت کی اچھائیوں اور لوازمات سے کلی طور پر بے بہرہ تھے۔ یقیناً ان میں سے کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جن کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ مگر اصل صورتحال اس سے خاصی مختلف ہے۔ کچھ لوگ تو ناخواندہ اور ان پڑھ لوگوں کو جاہل کہتے ہیں۔ یہ چیز تو مطلقاً غلط ہے۔ بالخصوص قرآن حکیم نے جس معنی میں اس کلمے کو استعمال کیا ہے اس کے ساتھ اس معنی و مراد کو تو کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں اہل علم و محققین کی آراء کا بھی جائزہ لے لیا جائے تاکہ اصل مراد و مفہوم تک رسائی میں سہولت رہے۔

جاہلیت کا لغوی معنی و مفہوم: محققین نے اس کلمہ کے حقیقی معنی و مفہوم تک پہنچنے کے لئے کافی کھوج کرید سے کام لیا ہے۔ دائرۃ المعارف القرآن المعاصرین کے مقالہ نگار نے اس کلمے کا معنی بیان کرتے ہوئے اس کے جملہ مستعمل مشتقات کا بھی احاطہ کیا ہے۔ لکھتا ہے:

☆ جهله ☆ يجهله جهلاً و جهالة: ضد علمه، فهو جاهل. جمعه: جُهَّل، جُهّال، جهلة و جُهلاء. و جهل عليه: تسافه عليه. وجهّله: رماه بالجهل. و تجاهل: اری من نفسه الجهل. واستجهله: عدّه جاهلاً. و المجهل: الارض (التي) لا يهتدى فيها. جمعه: مجاهل. يقال: جعلا الامر مجهلة: اي يحمل على الجهل. و الجاهلية: هي حالة الناس قبل بعثت رسول الله ﷺ (۱۳)

ترجمہ: ☆ جهله ☆ يجهله جهلاً و جهالة، علمه (اس نے اسے جان لیا) کی ضد ہے۔ اس

© rasailojaraid.com